

# حصہ انشا ثبہ

## حصہ دوم

### سوال نمبر 1

## ادور کوٹ

مصنف کا نام: غلام عباس  
خلاصہ:

جنوری کی ایک شام کو ایک خوش پوش نوجوان ڈیوس روڈ عبور کر کے مال روڈ چیکرنگ کراس کی طرف فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ سرسبز فلیڈ پیٹ، گلے میں سفید گلوبینڈ اور ایک یاٹھ میں چھڑی تھی۔ جاڑے کا موسم تھا اور ہندی بوا تیر دیھات کی طرح جسم سے ٹکراتی تھی۔ لیکن یہ نوجوان اس موسمی شدت سے بے نیاز بڑے مزے سے ٹہل رہا تھا۔ اس کی جال میں ایک مخصوص بانگ لپ تھا۔ وہ اپنے قریب آنے والے نیکیسی اور تانگے والے کو "شکر یہ" یا "نہیں" کے ساتھ ٹال دیتا تھا۔ وہ مال روڈ کے بارونق حصے میں پہنچا تو اس کی مٹوئی اور بانگ لپ میں اضافہ ہو گیا۔ یہاں تک وہ سیٹی بجا کر رقص کی مخصوص دھن ٹکانے لگا پھر اچانک جوش میں آکر باؤلر کی ٹینڈ سرانے کی کوشش کی۔ لارنس مارڈن کو جانے والی روڈ اس نے اختیار کی اور کوٹ کی آسپل سے روصال نکال کر ہم سے کو صاف کیا۔ قریب پہنچا تو اس



برہمچاریوں کو گھورنے لگا وہ شرمناک ٹھٹھکتا ہوا  
ایک بیچ پر رونق افروز ہوا۔ سال روڈ پر سائیکلوں  
صوٹر سائیکلوں اور پیدل چلنے والوں کا یکجہاں سڑک  
کے دونوں طرف دکانوں میں خرید و فروخت کا بازار  
گرم تھا۔ بعض ناچار لوگ دوری تفریح گاہوں اور دکانوں  
سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

نوجوان بھمنٹ کی فانی بیچ پر بیٹھا ہوا اپنے سامنے سے  
گزرنے والے زن و مرد کو زیادہ غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی  
نظر ان کے پیروں سے کہیں زیادہ ان کے لباس پر پڑتی تھی۔  
ان میں پروضیع کے لوگ تھے۔ نوجوان کا اور ٹوٹ پرانا مگر  
بڑھیا تھا۔ سلائی نہایت عمدہ اور بناگسی بیسٹ کے تھا۔  
بیچ سے اٹھ کر وہ دوبارہ جیل قدمی کرنے لگا۔ ایک ریستوران  
میں آرگسٹرائج کیا تھا اور سائبرٹس زیادہ رش لگا ہوا  
تھا۔

سڑک پر چند لمحات چلنے کے بعد اس نے سڑک عبور  
کرنے کی کوشش کی۔ مگر اچھی آدمی سڑک پار کی ہوئی کہ  
ایک لاری بگڑے کی طرح آئی اور اسے چلتی ہوئی میٹروڈ  
روڈ کی طرف نفل گئی۔ لاری کے ڈرائیور نے نوجوان  
کی چیخ سن کر گاڑی رفتار آہستہ کی مگر جب اسے لگا کہ  
وہ گاڑی پیٹ میں آگیا ہے تو وہ گاڑی بے کمرھاٹ نکلا۔  
انہی میں کئی لوگ جمع ہو گئے۔ نوجوان کی دونوں ٹانگیں  
ٹانگیں کچل گئی تھیں۔ پھر اسے ہسپتال لے جانا پڑا۔ وہ  
اپنی ٹانگوں سے تویا ڈھو بیٹھا تھا مگر سڑک کی مانگ واپس  
ہی نمایاں تھی۔



جب اس فالباس اتار اگیا تو نرسیں حیراں یوٹیش  
 مفلر کے نیچے قہقہے پئی نہتی۔ اور کوٹ کے نیچے بوسیدہ  
 اونٹ سویر ہوا۔ جسم پر میل کی تپہ جھی یوٹی تھی۔  
 بجائے بیٹی کے بتوں کو ہراٹی ٹاٹی سے بانڈھا ہوا تھا۔  
 پیٹ پر بھی گھٹنوں پر سو راسخ تھے۔ بوٹ اور جرابیں  
 اتار کر احساس یوا تم دونوں جرابوں کا رنگ  
 مختلف اور مٹی یوٹی تھی۔ بلاشبہ اس وقت نوجوان  
 فوٹ یو چھا تھا۔ اور کوٹ کی جیب سے مندرجہ ذیل  
 اشیاء برآمد ہوئیں۔ "ایک چھوٹا سا کٹھا، ایک  
 رسالہ، ساڑھے چھ آنے، ایک بجا ہوا آدھا سگریٹ  
 ایک ڈائری، گراموفون ریکارڈوں کی فہرست اور  
 چند اشتیارات۔" بید کی چھری غائب تھی۔

## سوال نمبر 2

### مکالمہ (استاد کی اہمیت)

اشعریہ اور ایان ایم جماعت میں۔ تقریح کا وقت یہ  
 اچانگ دالان میں دو طالب علم آپس میں لڑنے لگے ہیں۔  
 پروفیسر محمد سلیم انھیں روکنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ایک  
 طلب علم ان سے ٹسناٹی سے پیش آتا ہے۔ اس پر اشعریہ  
 ایان سے خیر ان یوکر لیتا ہے۔

پھر ایان ایکو رہے یوکر ایک عظیم یسٹ سے لٹنا  
 ادنیٰ رویہ پر تاجار یا ہے۔

اشعریہ ایہ کوٹی نئی بات نہیں۔ آج ہمارے  
 معاشرے سے اساتذہ کا احترام اٹھ چکا ہے۔



دیکھو! یہ توئی طریقہ تو نہیں استاد سے گفتگو کرنے کا۔  
بادشاہ باغیباہ ہے ادب ہے نصیب ہے مصداق یہ طلبہ حاصل کریں گے۔

استاذہ کی بے ادبی کرنے والے طلبہ میں سے ہے،  
دکتر میں نے انہیں دھکے کھاتے دیکھا ہے۔  
استاد تو وہ پیسے بے جس سے نیمہ عاشقہ  
تشکیل پلپٹاتا ہے۔

حضرت امیر خسروؒ فرصتیں کھاتے تھے کہ:

توں آن شاہی کہ بر ایوانِ قدرت  
کبو تر گر نشیند، باز گر و

استاد کا تو وہ مقلد اس پیشہ ہے کہ

رسولؐ نے فرمایا:

**ترجمہ:** "بے شک مجھ کو معلم بنا کر بھیجا گیا۔"

کہتے ہیں کہ کسی لڑکے میں استاذہ

گرام کا بیتِ احرام کیا جاتا تھا۔ خلیفہ یارون الرشید  
کے دونوں بیٹے امیں اور صلحوں اپنے استاد کے جوتے  
اٹھانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ اپنے استاد  
کا بیتِ احرام کرتے تھے اور انہیں قدر کی نگاہ سے  
دیکھتے تھے۔

صافی و حال کے شاگرد تقابلی جائزہ لیا جائے

تو امام اعظمؒ نے ساری زندگی اپنے استاد کے

ہرئی طرف باؤں نہیں تھیلانے۔ حضرت علیؓ فرصتیں

کھاتے تھے۔



جنے میوں ایک لفظی پڑھایا

میں اونوں آقا قرا پایا

آج کل کے طلبہ زبان دلازیں۔

استاد ہمیں لکھنا پڑھنا یہی نہیں سکھاتے

بلکہ ہمیں زندگی کا تصور بھی دیتے ہیں۔

مگر ٹھیک کیا۔ یہ کتابیں اور مضامین

ہمیں معلومات دیتے ہیں۔ یہ شعر نہیں سننا؟

مگورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں

آدمی، آدمی بناتے ہیں

استاد تو وہ یسٹ ہے جو اپنے سینے میں چھپا

علم طالب، علم کے حوالے کرتے ہیں۔

دوست! سو برائیوں سے بڑھ کر ایک بڑائی

ہمارے معاشرے میں اھیل چکی ہے استاد کی ناقدری۔

استاد بھی ڈانٹتی ہمارے لیے مفید ہوتی

ہے۔

لیکن آج طلبہ استاذہ کو محفوظِ خاطر نہیں رکھتے

شعبہ سکندر اعظم دنیا کا فانی ہوئے کے باوجود اپنے

استاد کے آئے سرہ ہونا تھا۔

لیس خدایا رے نوجوانوں کو عقل دے۔

آمین!

دو قلم کے اختتام کی گھنٹی بجی ہے اور دونوں

دوست اپنے اپنے جماعت کے مکروں کی طرف چل پڑھے

ہیں!۔